جاہلی عربی (ادب) کی اسنادی حیثیت پر مستشرقین اور مستغربین کے اعتراضات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

*ثناءاللہ

Abstract

The Period before the writing of the Quran and the rise of Islam is known to muslims as Jahilliyya or period of ignorance. The tradition and litrature of Jahilliyya was captured over two centuries later with two important Compilation of the Mu,allaqat and the Mufaddaliyat .Each is considered the best work of these pre-Islamic poets.

But Margoliouth and Taha Hussain lieved be that so called Pre-Islamic poetry is a fabricated work, ofter the establishment of Islam in order to lend outside support to Quranic mythology. It is clear in the light of the above discussion that the fabulous theories of Magoliouth and Taha Hussain wich declare the poetry of pagam Arabs to be a latter day forgery by the muslims, have been reuted by both muslims and orientalists. Certain arguments have found special gournds for vigorous criticism in This article some objectins of Margoliouth and taha Hussain are analyzed and responded academically.

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو قریش کی اس فصیح عربی زبان کے حروف اور کلمات میں نازل فرمایا جنہیں اہل عرب اپنی گفتگو اور محاورات میں استعمال کرتے تھے۔اس لیے قرآن حکیم کے ادبی محاسن، معجزانہ خصوصیات اور قرآن کریم کے مختلف اسالیب کے فہم کے لیے اہل عرب کے منثور و منظوم کلام یعنی بالخصوص جاہلی عربی شاعری کی معرفت ناگزیر ہے۔ کیونکہ فہم قرآن کے دیگر مصادر کی مانند یہ بھی ایک اہم مصدر ہے۔

عصر حاضر میں بعض عرب ادباء اور مستشرقین جنہوں نے جاہلی عربی شاعری اور اس کی استنادی

*لیکچرار، شعبہ قرآن اینڈ تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حیثیت کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ان میں یہودی مستشرق پروفیسر مارگولیتھ، پروفیسر نکلسن کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان مستشرقین نے جاہلی عربی شاعری کو موضوع ومنحول قرار دیا ہے تاکہ قدیم تفسیری ادب کی اساس وبنیاد کو کمزور کریں، مقالہ ہذا میں جوشکوک وشبہات اس میدان میں مستشرقین کی طرف سے سامنے آتے ہیں ان اعتراضات کا ایک تحقیقی جائزہ اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

قدیم جاہلی عربی (ادب) کی استنادی حیثیت:

متقدمین ومتاخرین کے نزدیک سبع معلقات کی اہمیت مسلم ہے۔ یہ قصائد جاہلی عربی شاعری کا بہترین نمونہ اورفصاحت و بلاغت کا مرقع خیال کیے جاتے ہیں۔ان سے عربوں کی قدیم تاریخ، باہم قبائلی تعلقات،جنگوں کے حالات، رسم ورواج،تمدن ومعاشرت، مذہبی اوراخلاقی امور،الغرض زندگی کے ہر پہلو پر بیش بہا ذخیرہ معلومات دستیاب ہوتا ہے۔اسی لیے یہ قصائد مختلف ادبی ثقافتی اورتاریخی عوامل کی وجہ سے ہمیشہ ادباءاورتاریخ نویسوں کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے ہیں اسی بناء پر دیگرعربی قصائد کے مقابلہ میں ان کی تشریحات،تعلیقات اورحواشی پر بہت زیادہ کام کیا گیا ہے۔ان قصائد کی اس قدر اہمیت کے تناظر میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اہل علم کا ان قصائد کی صحت،تعداداوروجہ تسمیہ پر اتفاق ہوتا لیکن ایسانہیں بلکہ بالخصوص عصرِ حاضر میں ان کی صحت اور عدم صحت کی بابت بہت زیادہ بحثیں کی گئی ہیں۔مستشرقین تو مستشرقین بعض عرب ادباء نے بھی ان کی صحت اورصحتِ نسبت پرشکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔ذیل میں جاہلی عربی شاعری سے متعلق اٹھائے جانے والے اہم اعتراضات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا تاکہ حقیقی صورت حال سامنے آسکے یہ اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ کے فہم کے لئے عربی زبان کا صحیح علم بہت ضروری ہے جس میں قرآنِ مجید نازل ہوا اور یہ وہ زبان ہے جو نزولِ قرآن کے وقت اور دورِ جاہلیت میں قبیلہ قریش کے لوگ اور دیگر اہلِ عرب بولتے تھے۔اس عربی زبان کا سب سے بڑا ماخذ کلام عرب ہے گویا جاہلی عربی شاعری مبادی تفاسیر میں سے ایک اہم اصول ہے جس کی معرفت فہمِ قرآن کے لئے ضروری ہے۔

جاہلی دور کے شعراء کے وجود سے انکار:

پروفیسر مارگولیتھ(۲) نے سب سے پہلے اپنے ایک مضمون اصول الشعر العربی(۱) میں

جاہلی عربی کے بارے میں لکھا۔

''اپنے مضمون کی ابتداء میں زمانہ، جاہلیت میں شعراء کے وجود کی بابت لکھتے ہیں کہ طلوع اسلام سے قبل عرب میں شاعروں کے وجود کی شہادت قرآن مجید سے ملتی ہے۔قرآن کی ایک سورۃ کا نام ''الشعراء'' ہے اور دوسرے مقامات پر بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ رسول عربی کے مخالفین نے ان کو جن ناموں سے موسوم کیا ہے اس میں ایک مجنون شاعر بھی ہے۔ دوسری جگہ کاہن، مجنون یا شاعر کے لفظ ملتے ہیں۔ ان کو شاعر کہنے والے یہ بھی کہتے تھے کہ ہم دیکھیں گے کہ ان کا حشر کیا ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شعراء پیشین گوئی بھی کیا کرتے تھے۔ دوسری جگہ آیا ہے کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے بلکہ ایک رسول ﷺ کا قول ہے اور ہم نے ان کو شاعری نہیں سکھائی جو ان کے لیے کسی کام کی نہ تھی بلکہ یہ تو ''ذکر'' اور قرآن مبین ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شاعری دھندلی اور مغلق ہوا کرتی تھی۔ (۳)

علاوہ یہ قصائد کچھ ایسے ہیں کہ لکھ کر بھی مشکل سے یاد ہوتے ہیں، بدو لوگ اس معاملہ میں غیر محتاط سمجھے جاتے ہیں اس لیے ان کی روایتیں ان اشعار کے متعلق قابل اعتماد نہیں ہو سکتیں (۴)

مارگولیتھ کے اس نقطہ نظر سے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ جو قوم بڑی ذہین و فطین تھی اور جس نے عرب کے علاوہ لوگوں کو عجمی یعنی گونگا تک کہہ دیا اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ غیر محتاط تھے اور ان سے طویل قصائد یاد نہیں ہو سکتے تھے۔ کتنی بڑی واضح حقیقت سے انکار ہے حالانکہ عربوں کا حافظہ اور فصاحت و بلاغت مشہور ہے''۔

مستشرقین اور مستغربین پر مارگولیتھ کے خیالات کے اثرات:

ان کے اس مضمون کے بڑے دوررس نتائج سامنے آئے اکثر مستشرقین اور مسلمان ادباء مثلاً Giorgio Levi Della Vida اور ڈاکٹر طہٰ حسین وغیرہ نے مارگولیتھ کے خیالات سے ہی متاثر ہو کر جاہلی عربی شاعری کو ماننے سے انکار کر دیا۔ دراصل فرانسیسی اور انگریزی تہذیب و تمدن کے اثر سے مصر میں ایک ایسا طبقہ ظہور پذیر ہوا جو مغربی ثقافت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ مشرقی علوم کو نظر انداز کرنے کے علاوہ انہیں ذلت و حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس طبقہ کی جانب سے قرآن حکیم، احادیث نبوی ﷺ، صحابہ کرام ؓ اور مسلمانوں کے ادبی سرمایہ یعنی شعر و شاعری پر مختلف نوعیت کے اعتراضات کیے گئے جو دلائل و شواہد سے خالی اور مستشرقین کی کورانہ تقلید و تائید کا نتیجہ تھے۔ مسلمان ادباء میں ڈاکٹر طہٰ حسین نمایاں طور پر سامنے آتا ہے، وہ فرانسیسی ادب و ثقافت کے زبردست حامی تھے۔ مشرق و مغرب میں ایک ممتاز عربی

ادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں تاہم بعض اسلامی مفکرین ومؤرخین کوان کے ساتھ بہت سی باتوں میں اختلاف بھی ہے۔انہوں نے **فی الشعر الجاهلی** کے نام سے ایک کتاب شائع کی یہ دراصل ان کے محاضرات ہیں جو انہوں نے مصر کے طلبہ کے سامنے دیے تھے۔اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے ایک طوفان برپا ہوگیا۔کیونکہ اس میں جاہلی عربی شاعری پرشکوک وشبہات کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے کعبہ کی تعمیر اور حضرت اسماعیل کی حجاز میں سکونت کے واقعات کا انکار کیا گیا تھا اس کتاب کی اشاعت سے علمائے مصر میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔جامعہ ازہر کی ایک کمیٹی نے اس کتاب کا جائزہ لیا اور یہ فیصلہ دیا کہ یہ کتاب مذہبی اور اسلامی نقطۂ نظر سے نذر آتش کی مستحق ہے اور آپ کو قاہرہ یونیورسٹی سے الگ کیے جانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔جن میں اس کتاب پر بہت زیادہ بحث ہوئی۔بعض ممبران نے طہٰ حسین پر سخت حملے بھی کیئے۔ان کی ذات یا کتاب کے خلاف جو کچھ لکھا گیا یا اسمبلی میں کہا گے اس کی ایک جھلک ان کے حریف مصطفیٰ صادق رافعی کی کتاب ''**تحت رایة القرآن**'' میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔بعدازاں انہوں نے 1927ء میں بعض ترمیمات کے ساتھ ''**فی الادب الجاهلی**'' کے نام سے اسے شائع کیا۔

جاہلی عربی شاعری کے بارے میں شک کے اسباب:

ڈاکٹر طہٰ حسین کہتے ہیں کہ جاہلی دور کے اہلِ عرب کی حیاۃِ دینیہ،عقلیۃ،سیاسیہ،اقتصادیہ اور جاہلی عربی شاعری میں مماثلت نہیں ہے کیونکہ جس شاعری کو جاہلی دور کی جانب منسوب کیا جاتا ہے وہ دین شعور کے حوالہ سے خاموش ہے۔انہوں نے تمام جاہلی عربی شاعری کو افسانہ قرار دیا۔پھر یہ سوال اٹھایا کہ کیا امرؤالقیس،طرفہ اور عنترہ کی شاعری میں دینی شعور پایا جاتا ہے؟ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ پوری جاہلی عربی شاعری دینی شعور اور دینی زندگی سے خالی ہے؟ اہل عرب میں زبان اور لہجوں کا اختلاف بھی تھا اور پھر اشعار کو محفوظ کرنے کا بھی مناسب طریقہ کار نہیں تھا اس لیے قرآن وحدیث کے الفاظ کی تفہیم کے لئے جاہلی عربی شاعری سے استشہاد درست نہیں ہے(۵)

طہٰ حسین کا مؤقف یہ ہے کہ موجودہ قدیم جاہلی عربی شاعری کا دور جاہلی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ نظم ونثر لکھنا اہل عرب کے بس میں نہیں تھا۔یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی حقیقت کا انکار کیسے کر دیا،اعتراض اور انکار کے قدم یہیں تک نہیں رکے بلکہ انہوں نے ایک لمبی جست یہ بھری کہ قرآن حکیم میں گرائمر کی پائی جانے والی اغلاط کے جواز پیش کرنے کیلئے اسلام کی آمد کے بعد یہ کلام وضع کر

کے اسے جاہلی ادب کا نام دے دیا۔ جاہلی ادب کے انکار کی آڑ میں انہوں نے کلام الٰہی اور اس کے حسن کلام کا بھی انکار کیا جس کے لسانی اعجاز نے اہل عرب کو عاجز اور مسحور کر دیا ان کے اس اعتراض کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قدیم کلام عرب جعلی ہے اور وہ قرآن جس میں اس کلام عرب کی گواہی پیش کی گئی ہے وہ بھی وضع کردہ ہے گویا کہ ان کے اعتراض سے نہ صرف جاہلی عربی شاعری کا انکار ثابت ہوتا ہے بلکہ قرآن کی صداقت پر بھی کاری ضرب لگتی ہے۔

اسباب نحل الشعر:

ان کے نزدیک مسلمانوں کی زندگی میں ابتدائی تین صدیوں میں سیاست، دین القصص، الشعوبیۃ اور رواۃ منحول موضوع شاعری کے اسباب ہیں(۶)

شعراء کے نام اور ان کے کلام میں شکوک وشبہات:

بعض شعراء مثلاً امرؤ القیس، علقمۃ، عبیدبن الأبرص، عمرو بن قمیئۃ، مہلھل، عمرو بن کلثوم جلیلۃ، حارث بن حلزۃ، طرفۃ، متلمّس اور اعشی وغیرہ کے نام فرضی ہیں اور ان کی جانب منسوب شاعری اسلامی دور میں گھڑی گئی ہے۔(۷)

عربی زبان اور لہجوں سے متعلق اعتراضات:

طٰہٰ حسین کے بقول عہدِ جاہلیت میں کوئی مرکزی عربی زبان موجود نہیں تھی اور تمام قبائل کے اپنے اپنے لہجے تھے۔ قبائلی تعصب کی بناء پر ان کے لئے کسی دوسرے قبیلے کے لہجہ کو اپنانا باعث عار تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن اس دور کا متداول ادبی ذخیرہ ان لہجاتی اختلافات سے یکسر خالی ہے، ایسا ہونا غیر فطری امر ہے۔ لہٰذا اس دور کا تمام ادبی ذخیرہ منحول ہے جس کو عہدِ اسلام کے ادباء نے گھڑ کر عہدِ جاہلیت کے اشخاص کی طرف منسوب کر دیا ہے(۸) طٰہٰ حسین کے جاہلی عربی شاعری کی صحت اور صحت نسبت کی بابت شکوک وشبہات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

طٰہٰ حسین کا مقصود یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی مرکزی عربی زبان نہیں تھی اور تمام قبائل کے لہجات میں بھی اختلاف تھا جبکہ موجودہ جاہلی عربی شاعری میں لہجات کا اختلاف نہیں پایا جاتا گویا کہ یہ زمانہ جاہلیت کی جانب منسوب شاعری منحول وموضوع ہے۔

ایک اور دلیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب قبائل میں موجود مختلف لہجات کا اظہار ان کے ادب میں ہونا چاہیے تھا خاص طور پر معلقات میں کیونکہ وہ قدیم جاہلی شعرا کے نمائندہ تصور کیے جاتے ہیں جن میں بنوکندہ کے امرؤالقیس، بنوقیس کے زہیر بن ابی سلمی، نابغہ،عنترہ اور لبید بن ربیعہ، بنی تغلب سے تعلق رکھنے والے عمرو بن کلثوم،طرفۃ بن العبد اور حارث بن حلزہ کے قصائد شامل ہیں میں یہ اختلاف نظر کیوں نہیں آتا،ان کے نزدیک قابل تعجب امر یہ ہے کہ ان قصائد میں نہ تو زبان اور لہجہ کا فرق ہے اور نہ ہی فنی اور عروضی فرق کا اظہار ہوتا ہے۔(۹)

اعتراضات کا تحقیقی جائزہ:

ذیل میں مارگولتھ اور طہ حسین کے نظریات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ڈاکٹر طہ حسین نے **ابو المعری** کے فلسفہ حیات سے متاثر ہوکر'' **ذکری ابی العلاء** '' کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات'' **الایام** '' میں معری اور اپنے میں پائی جانے والی متعدد مماثلتوں کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک اہم مماثلت تشکیک ہے۔معری نے قرآن حکیم کی مختلف سورتوں کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کیا جبکہ طہ حسین نے قرآن کی فصیح وبلیغ عربی زبان کو مشکوک قرار دے دیا، یہ سب کچھ مستشرقین اور ابوالعلاء معری کی تقلید اور اثرات کا نتیجہ ہے جس کا حقیقت سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

عربی زبان کے مختلف لہجات کی حقیقت:

ذیل میں اہل علم کی مختلف روایات وآراء پیش کی جائیں گی جن سے واضح ہوجائے گا کہ قرآن حکیم کی عربی زبان کے مختلف لہجات کے حوالہ سے مارگولیتھ، طہ حسین اور دیگر مستشرقین کا نقطۂ نظر غلط ہے۔

عہد جاہلیت میں عرب میں کثیر تعداد میں لہجے موجود تھے۔اس کا ثبوت ابن جریر کے درج ذیل بیان سے ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:'' **ان السنتها و لغاتها اکثر من سبعة ،بما یعجز عن احصائه** ''(۱۰)(یعنی ان کی زبانیں اس کثرت سے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں)

لہجات کی بابت دورجدید کے محقق شوقی ضیف لکھتے: **فی العصر الجاهلی کانت هناک لهجات کثیرة تمیزت بها بعض القبائل ،و ظلت آثار ها و اضحة علی السنتها الی القرن الثانی للهجرة فسجّلها اللغویون** ''(۱۱)(عصر جاہلی میں مختلف قبائل کی بناء پر عربی زبان

میں مختلف لہجات تھے۔ لہجات کی کثرت تھی جن سے بعض قبائل کی پہچان تھی اور ان کے بڑی واضح آثار ان قبائل میں دوسری صدی ہجری تک پائے گئے اور ماہرین لغت نے انہیں محفوظ بھی کیا (۱۲)۔

لہجات سے متعلق بنیادی مصادر:

ذیل کی تالیفات سے اہل عرب کے لہجات کے اختلاف کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ان کتب میں یونس بن حبیب (۱۸۲ھ) کی **کتاب اللغات**، یہ پہلی کتاب ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی۔ علاوہ ازیں ابوعمر والشیبان (۲۰۶ھ) کی **کتاب اللغات**، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی (۲۰۶ھ) کی **لغات القرآن**، فراء (۲۰۷ھ) کی **لغات القرآن** ابوعبیدہ (۲۱۰ھ) کی **کتاب الغات**، ابوزید الأنصاری (۲۱۵ھ) کی **لغات القرآن**، الاصمعی (۲۱۶ھ) کی **کتاب اللغات**، محمد بن یحیٰی القطعی (۵۲۳ھ) کی **لغات القرآن** اور ابن درید (۳۲۱ھ) کی **لغات القرآن** اور ابوالفضائل الصغانی حسن بن محمد العدوی (۶۰۵ھ) کی **الشوارد فی اللغات** اہم ہیں۔ اس کے علاوہ ابوالحسن علی بن حسن الھنائی (ق۴ھ تقریباً) کی کتاب المجرد الغریب جو خلیل بن احمد النحوی (۱۷۵ھ) کی کتاب العین کی طرز پر تحریر کی گئی تھی۔ عمر بن شابہ کی کتاب **الاستعانہ بالشعر و اما جآء فی اللغات** بھی ہے۔

محمد یوسف جطلاوی مذکورہ کتب کی بابت لکھتے ہیں: مذکورہ کتب میں سے کوئی بھی متداول نہیں ہے، تاہم کتب لغت ونحو، کتب نوادر اور غریب لغات کے بارے میں تحریر کی گئی کتب میں ان لہجات پر روشنی ڈالی گئی ہے (۱۳)۔

علماء اور خلفاء کی مجالس اور ایام العرب کے بارے میں تحریر کردہ کتب میں بھی ان لہجات کا ذکر ملتا ہے مذکورہ کتب کی تدوین نہ ہونے کی بابت ڈاکٹر جواد علی رقمطراز ہیں۔ **وقد بنی سبب اھمالھم اللھجات الاخریٰ، علی اعتقادھم انها لھجات ردية فاسدة، و ان اللغة الفصحی ھی اللغة الوحيدة التی يجب حفظ قواعدها و العناية بها، لأنها لغة القرآن الكريم**، (۱۴) (دیگر لہجات سے اغماض برتنے کا بنیادی سبب یہ اعتقاد تھا کہ تمام لہجات ردی اور فاسد ہیں اور فصیح لغت وہ واحد لغت ہے جس کے قواعد کو بحسن وخوبی محفوظ کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کی زبان ہے)۔

قدماء میں سے احمد بن فارس نے **الصاحبی فی فقه اللغة** اور سیوطی نے **المزھر** میں قدیم جاہلی عربی لہجات اور ان کے اختلافات کو بیان کیا ہے۔ دور جدید کے علماء میں سے ڈاکٹر جواد علی نے

''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ''میں اختلاف لہجات پر بھی لکھا ہے۔اس کے علاوہ اس سلسلے میں مصطفیٰ صادق الرافعی اور بعض مستشرقین بھی پیش پیش ہیں، صحی صالح کی دراسات فی فقه اللغة ،ابراہیم انیس کی اللهجات العربية ، اور محمد الانطا کی الوجیز فی فقه اللغة وغیرہ نئے نتائج تک رسائی میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر جوادعلی (مشہور عراقی عالم ومحقق) نے اللغۃ الفصحیٰ کے ضمن میں بعض مستشرقین کے اقوال نقل کر کے ان کے نقطہ نظر کو احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔نولڈیکی تاریخ القرآن کے حوالے سے اللغۃ الفصحیٰ کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کو یوں پیش کرتے ہیں۔وخلاصة راية ان الفروغ بين اللهجات فی الحجاز ونجد و مناطق البادية المتاخمة للفرات لم تكن كبيرة ،و ان اللهجة الفصيحة شملت جميع هذه اللهجات ''(۱۵)(یعنی حجاز،نجد اور بادیہ کے دوسرے حصے جو وادی فرات تک پھیلے ہوئے تھے میں پائے جانے والے لہجات میں زیادہ اختلاف نہیں اور اللغۃ الفصحیٰ میں یہ تمام لہجات شامل ہیں)

اللهجات فی شعرهذه القبائل الذی قيل قبل أن يفرض القرآن علی العرب لغة واحدة ولهجات متقاربة '' و من المعروف ان علقمة من بنی تميم ،و القصيد تان اللتان استثنا هما ورضی بقبولهما لا يخرجان عن هذه اللغة الادبية التی يسميها لغة قريش ،فقبوله لهاتين القصدتين ينفض أساس ذلک الفصل (۱۶)

امرؤالقیس کی قبر کے کتبے میں موجود لغۃ (ال) کا ذکر موجود ہے اس سے مراد اللغۃ الفصحیٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عکاظ کے میلے کے قیام سے کہیں پہلے وادی فرات کے عرب اللغۃ الفصحیٰ کو اپنائے ہوئے تھے(۱۷)ڈاکٹر جوادعلی، طہٰ حسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں''و اما ما قالوه من ان الوفد اليمينة التی وفدت علی الرسول،لم تجد صعوبة فی التفاهم معه ،و ان الرسول حسن ارسل معاذبن جبل الی اليمنية لبعضهم و تعلمهم ما وجد صعوبة فی التفاهم معهم''(۱۸)ڈاکٹر جوادلی کے نزدیک یہ روایت بعض تاریخی واقعات کے عارض ہے مثلاً (تاریخ میں یمنی وفود کی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ملتا ہے لیکن انہیں کبھی تکلم میں دقت پیش نہیں آئی اور جب ایک انصاری صحابی معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا گیا تو انہیں اہل یمن کے ہاں زبان کی کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا)۔

شوقی ضیف لکھتے ہیں ''و معنی ذلک ان الھجة قریش لم یبدا ذیو عھا و انتشار ھا بین العرب فی الاسلام عن طریق القرآن الکریم کماظن ذلک بعض الباحثین ،فقد کانت ذائعة منتشرة بینھم منذ العصر الجاھلی ،بل منذ اوائله''۔(۱۹)

محمد یوسف الجطلاوی نے اہلِ عرب کے مختلف لہجات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے(۲۰)

اسباب النحل۔اعتراضات کا جائزہ:

جہاں تک اسباب النحل کا تعلق ہے تو مختلف ادبا ونقاد نے اس کا رد کرتے ہوئے جوابات پیش کیے ہیں: مثلاً سید خضر حسین لکھتے ہیں فالو اقع ان السیاسة اغترفت من قرائح الشعراء مدیحاً أؤ ھجاء ،اما ان یکون لھا اثر فی اصطناع شعر جاھلی فذلک مالم یسق له المؤلف فی طول ھذا الفصل و عرضه شاھداً و ھو ماینتظره کل من یقرا عنوانه (السیاسة و اشمال الشعر)''(۲۱) سید محمد حضر حسین نے اپنی کتاب نقض کتاب فی الشعر الجاھلی'' جو کہ نام سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ''فی الشعر الجاہلی'' کے رد میں لکھی گئی تھی۔

ناصرالدین اسد نے اپنی کتاب ''مصادر الشعر الجاھلی وقیمتھا التاریخیة '' میں باقاعدہ '' الشک فی الشعر الجاھلی'' کے نام سے ایک باب باندھا ہے اوراس باب کی پانچ فصول میں جاہلی عربی شاعری کی بابت مختلف مستشرقین اور بالخصوص ڈاکٹر طہ حسین کے اعتراضات کا جائزہ لے کر مختلف ادباء وناقدین کے حوالہ سے ان کا رد کیا ہے(۲۲)انہوں نے مستشرقین اوران کے سب سے بڑے علمبردار طہ حسین کے مذکورہ خیالات کا بہت عمدہ طریقہ سے جواب دیا ہے کہ اس غلط انتساب کی اصل وجہ عصبیتِ دین،قصص،شعوبیہ اورالدرواۃ ہیں جن کے لئے دوسرے فریق کے مقابلہ ایک فریق کی حمایت میں ادب جاہلی میں اضافہ کیا گیا یا پھر نبوت کی صحت کے اثبات،حضورﷺ کے خاندان اورنسبتِ قریش کے لئے ادب میں اضافے کیے گئے وغیرہ،وہ جاہلیت سے منسوب شعری حصے کی تین اقسام بتاتے ہیں۔

ا۔موضوع منحول،۲۔صحیح ۳۔مختلف فیہ ومختلف علیہ۔شاعری کی یہ تقسیم علماء اورمحققین کی ایسی جماعت نے کی ہے جنھوں نے طویل عرصہ تک مطالعہ وتحقیق اورغوروخوض کے بعداس نتیجہ پرپہنچی۔ان کا بیان ہے کہ:

''تحوی بین دفیتھا الشعر الجاھلی الذی تیقنوا صحته بعد تحروا استقصاء و جمع و تمحیص و نقد ''(۲۳)(یعنی جن کے سامنے جاہلی شاعری کا سارا خزانہ تھااورجس کی صحت پرانہوں

نے غور واستقصاء، جمع وتمحیص اورتنقید کے بعد یقین کا اظہار کیا۔

قدیم علماء میں سے احمد بن فارس (۳۹۵ھ) لکھتے ہیں: **اجمع علماء بکلام العرب و الرواۃ لاشعارھم و العلماء بلغاتھم وایا مھم و ان قریشا افصح العرب السنۃ و اصفاھم لغۃ** (۲۴) اہل عرب کوایک مشترک زبان پر جمع اورایک زبان کے قیام میں مختلف عوامل نے حصہ لیا تھا ان میں اہم عنصر جزیرۃ العرب میں لگنے والے مختلف تجارتی بازار ہیں اوران بازاروں رمیلوں میں سے بھی سب سے زیادہ اہمیت سوق عکاظ کی ہے جس کی حیثیت صرف تجارتی نہیں بلکہ ایک ثقافتی میلہ کی بھی تھی ۔اس میلہ میں عرب قبائل جمع ہوتے اورشعروشاعری میں باہمی مقابلہ کرتے ۔ان میلوں کی وجہ سے عربی زبان کوفروغ حاصل ہوا۔مختلف قبائل کی بناء پرعربی زبان میں مختلف لہجات تھے۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ عرب قبائل کی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں،اس لیے زمانہ جاہلیت کے شعراء کی زبان بھی مختلف ہونی چاہیے لیکن اس کے برعکس زبان سب کی ایک ہے ۔اس لیے شعراء کی طرف دواوین کا انتساب درست نہیں ہے ۔اپنی مذکورہ کتاب میں ''شعر جاہلی اورزبان'' کے نام سے ایک فصل میں کہتے ہیں کہ راویوں کا عام اتفاق ہے کہ عدنانیوں اورقحطانیوں کی زبان ایک دوسرے سے مختلف تھی ۔چنانچہ ابوعمرو بن العلاء کا مقولہ ہے کہ ''حمیر کی زبان ہماری زبان کے مثل نہیں'' اوراس کے علاوہ اثری تحقیقات میں بھی بہت سے ایسی نقوش ونصوص ملے ہیں جوان دونوں کی زبانوں کوایک دوسرے سے اس طرح مختلف ثابت کرتے ہیں جیسے کہ زبان عربی اور سامی زبانوں میں سے کسی ایک میں تفاوت ہوسکتا ہے لیکن قحطانی وعدنانی شعرائے جاہلی کے جواشعار موجود ہیں ان کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی بجائے بالکل قرآن کی زبان ہے ۔اس لیے یہ یقینی ہے کہ شعرا کے دواوین واشعار کا صرف انتساب غلط ہے بلکہ یہ سب اسلام کے بعد کی چیزیں ہیں ۔(۲۵)۔

بڑی حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی ۔کلامِ عرب کے اختلاف سے کون ناواقف ہے ۔ یہ اختلاف کہیں ایک آدھ کلمہ ایک دوحرف ، یا طریقہ، اعراب یا طریقہ ادا میں ہے طہ حسین نے اثری تحقیقات کا جوحوالہ دیا ہے فی الواقعی اگرایسی مغایرت تھی اوراس کے ثبوت میں نقوش و نصوص بھی موجود ہیں تو صرف حوالہ ہی کافی نہیں بلکہ انہیں پیش کرنا چاہیے تھا اورپھر مغایرتِ زبان کے زمانہ کی تعین بھی کردی جاتی تو بہت ہی اچھا تھا۔کیونکہ شعرائے جاہلی کے جو دواوین موجود ہیں وہ بعثت نبوی سے

دو یا دو سے زیادہ تین صدی بیشتر کے ہیں انہوں نے اس بات کا بھی خود اقرار کیا ہے کہ اہل عرب میں بیت الحرام کے حج کا طریقہ بعثتِ نبویﷺ کے دو تین صدی پیشتر سے رائج تھا اس وقت سے جزیرہ عرب کے تمام قبائل اطراف و جوانب سے مکہ معظّمہ کے حج کیلئے آتے تھے جس سے قحطانی مستثنٰی نہیں ہیں ۔عراق ،نجد،شام ،حجاز اور یمن وغیرہ میں عدنانیوں اور قحطانیوں کی آمدو رفت ہوتی رہتی تھی ۔ان میں تجارتی معاملات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا لیکن کبھی اخوت ومودت جبکہ کبھی لڑائیں ہوتی تھیں،ان کے بقول اس بات کے ثبوت شعرائے جاہلی کے کلام میں موجود ہیں ۔قبائل کے اس قدر شدید اختلاط کی موجودگی میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ان میں کوئی ایسا لسانی اتحاد موجود نہ تھا جس سے ان دونوں کے شب و روز کے تعلقات استوار تھے ورنہ اگر ان کی زبانوں میں ایسی مغایرت ہوتی جیسے کسی سامی زبان کی ہوسکتی ہے تو پھر وہ دوسری زبان ظہور اسلام کے بعد فوراًاس طرح کیوں ختم ہوگئی کہ عربی ادبیات میں اس کا کوئی نام ونشان تک نہ رہا اس کے علاوہ اس شدید مغایرت لسانی کے باوجود اسلام کی آمد کے بعد قرآن کو کیونکر سمجھ پائے ۔اگر نزول قرآن کے وقت ان کی زبان زندہ ہوتی تو اس کا اثر قرآن کی زبان پر یقینی طور پر پڑتا جبکہ قرآن کے مخاطب مخصوص طور پر وہ بھی تھے ۔اگر طہ حسین زمانہ کی تعیین کردیتے اور مغایرت لسانی کو بعثت نبویﷺ سے بیس صدی بیشتر سے منسوب کردیتے تو پھر اس نظریہ کے معقول ہونے پر بحث کی جاسکتی تھی ۔کیونکہ عدنانی بنو اسماعیل ہیں اور یہ یقینی تھا کہ ان کی آمد کے وقت ان کی زبان قحطانیوں سے بالکل مختلف ہوگی لیکن یثرب کے یہود بالکل آخر زمانہ میں عرب میں آئے بعثتِ نبویﷺ سے پہلے ایسے ہی فصیح اللسان تھے جیسے خود عرب تو عدنانی بیس صدی گزرنے پر جبکہ انہوں نے جزیرہ میں با اقتدار زندگی گزاری اور ان کے تجارتی ،جنگی اور دینی تعلقات تمام عرب سے ہوگئے تھے ۔پھر قحطانیوں اور عدنانیوں میں یہ لسانی اتحاد کیونکہ نہ ہوتا۔

جاہلی عربی شاعری کی تدوین:

یہ دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ عربی ادب کا یہ سرمایہ کیوں محفوظ کیا گیا جبکہ زمانہ جاہلیت میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شعرائے جاہلیت کا کلام خلافتِ عباسیہ کے پہلے دور میں باقاعدہ تحریر میں آیا اور اس دور سے پہلے اس کی روایت زبانی طور پر کی جاتی تھی (۲۶) یعنی باقاعدہ تدوین تقریباً دوسو برس بعد ہوئی اور اس سے قبل یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی جس کی بناء پر اس کی روایت میں اختلافات پیدا ہوگئے اور بہت سے جعلی شعر بھی اصل جاہلی شاعری میں شامل کردیے گئے تعلیق علی الکعبہ کی

روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ نہ کچھ لکھنے کا رواج ضرور تھا۔ تاہم جمع و ترتیب سے قبل جاہلی عربی شاعری روایوں کی زبانی یادداشتوں کی بدولت محفوظ بھی رہی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتدا میں راوی یا راویہ خود شاعر بھی ہوتا اور کسی شاعر کی شاگردی میں راوی کی حیثیت میں بھی رہتا تھا۔

ڈاکٹر ناصرالدین اسد نے اپنی کتاب ''**مصادر الشعر الجاهلی و قیمتها التاریخیة**'' کے باب اول ''**الکتابة فی العصر الجاهلی** '' میں تفصیل سے زمانہ جاہلیت میں کتابت کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ بعض لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ڈاکٹر جواد علی نے بھی بعض نقوش اور کتابات کے حوالہ سے لکھا ہے (۲۷)۔

اوس اور خزرج کے کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے۔ بعض یہود نے بھی کتابت سیکھ رکھی تھی شروع زمانہ میں مدینہ کے بچے بھی اسے سیکھا کرتے تھے چنانچہ جب اسلام آیا تو اوس اور خزرج میں متعدد لوگ لکھنا جناتے تھے۔ طبری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید جب مختلف مقامات فتح کرتے ہوئے '' **الأنبار** '' پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو عربی زبان لکھتے اور سیکھتے دیکھا۔ ''**رأهم یکتبون بالعربیة و یتعلمونها**'' (۲۸)۔

یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ ''**فی کتاب أبی حنیفة اسحاق بن بشر بخط العبدری فی مسیر خالد بن الولیدؓ من عین الشعر و وجدوا فی کنیسة صبیاناً ،یتعلمون الکتابة فی قریة من قری عین التمر یقال لها النقیرة و کان فیهم حمران مولی عثمان بن عفانؓ**'' یعنی خالد بن ولید جب ''عین التمر'' پہنچے تو وہاں انہوں نے ایک قصبہ ''النقیرہ'' میں بچوں کو کتابت سیکھتے دیکھا انہی میں حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کے غلام ''حمران'' بھی تھے۔ (۲۹)

دور جدید کے ادباء میں سے شوقی ضیف ابن جنی کی الخصائص کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نعمان بن منذر (۶۰۲ء) کے حکم سے بعض شعراء عرب کے اشعار نقل کیے گئے تھے جن کو قصر ابیض میں دفن کر دیا گیا اور مختار ثقفی (۶۸ھ) کو بتایا گیا کہ اس محل کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے ان کو کھودا گیا تو وہاں سے فحول شعراء کا کلام برآمد ہوا۔ اس روایت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں بھی بیان میں کیا ہے اس کے علاوہ یاقوت حموی نے بھی **معجم البلد ان میں القصر الابیض** کے بیان اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (۳۰) حیرہ کی سلطنت کے منظم نظام مملکت میں مدارس کا ایک نظام موجود تھا جس میں عربی زبان کو

مرکزی مقام حاصل تھا ڈاکٹر جواد علی مزید لکھتے ہیں کہ حیرہ کی ریاست میں مدارس موجود تھے جن میں عربی زبان کی تدریس ہوتی تھی اہل انبار اور عین التمر کے باشندوں نے وہاں سے عربی زبان میں تعلیم حاصل کی تھی۔(۳۱) دور جدید کے ادیب شوقی ضیف نے اپنی کتاب **العصر الجاهلی** کی پانچویں فصل ''**روایة الشعر الجاهلی و تدوینه**'' میں جاہلی عربی شاعری کی تدوین اور روایت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے(۳۲)۔

نتائج:

مذکورہ تفصیلات میں ہم نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ادبی سرمایہ پر جن مختلف قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا بنیادی طور پر پروفیسر ڈی۔ایس مارگولیتھ نے ان اعتراضات کی بنیاد رکھی اور پھر ان سے مستشرقین اور دیگر ادباء نے بھی متاثر ہو کر ان کی تقلید میں اس ادبی سرمایہ کو من گھڑت قرار دے دیا اس میں ڈاکٹر طہٰ حسین نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ان کی علمیت اور شخصیت سے کسی کو انکار نہیں۔مصر کی ایک بستی کے غریب گھرانے میں آنکھیں کھولنے والا یہ شخص عربی زبان وادب کا بہت بڑا ادیب اور صحافی تھا۔نابینا ہونے کے باوجود بہت سی کتب تصنیف کیں۔بلاشبہ وہ بہت عظیم شخص تھا لیکن 1926ء میں جونہی ان کی مشہور کتاب **فی الشعر الجاهلی** شائع ہوئی اس کتاب نے علمی و دینی حلقوں میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا کیونکہ اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن یا بائبل میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ناموں کا پایا جانا ان کی تاریخی حیثیت کی دلیل نہیں اور اس بات کا بھی ثبوت نہیں کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اس کتاب میں یہ بھی بات کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ قصائد جو جاہلی شعرا کی جانب منسوب کیے گئے ہیں وہ فی الواقع ان جاہلی شعراء کے نہیں ہیں بلکہ بعد کے لوگوں نے یہ لکھ کر جاہلی شعرا کی جانب غلط طور پر منسوب کر دیے ہیں انہوں نے اس کی وجہ یہ بھی تحریر کی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔اور یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ پیغمبر کا تعلق جس قبیلہ سے تھا وہ زبان و بیان اور ادب کے لحاظ سے بہتر و برتر تھا انھوں نے حماد الراویہ اور خلف الأحمر پر بھی غلط طور پر طعن وتشنیع کی ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ حماد الروایۃ کوفیوں میں جبکہ خلف الأحمر بصریوں میں روایت جمع کرانے میں مشہور تھا دونوں اخلاق، دین، عزت و وقار سے عاری اور غلط آدمی تھے۔شراب وکباب، فسق و فجور اور لہولعب میں محو رہتے تھے۔حماد الراویہ، خلف الاحمر، ابوعمرو بن العلاء، اصمعی، ابوعمرو الشیبانی، ابن اسحاق اور المبرد جاہلی عربی شاعری کے

مؤرخ اور راوی تصور کیے جاتے ہیں۔لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے پر الزام لگاتا ہے اور کسی کو کوئی ثقہ نہیں سمجھتا۔اس طرح کے تمام اعتراضات اسلام دشمنی میں کیے گئے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں انہوں نے یہ سب کچھ اپنے ہمنوا مستشرقین کی تائید اور تقلید میں کیا یہ بات حقائق پر مبنی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا اس کے باوجود جس قوم میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہ ہو کیا اس قوم کی تاریخ سے معرفت کے حصول کیلئے تحریروں کا کھوج لگانا درست ہے؟ ان حالات میں جبکہ اہل عرب غیر معمولی حافظہ کے حامل تھے کیا جاہلی عربی شاعری زبانی روایت کے ذریعے محفوظ کرنے کا مستند ذریعہ نہیں ہے؟ جبکہ اہل علم کے ہاں اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اہل عرب میں زبانی روایت علم کی حفاظت و روایت کا اہم اور قابل اعتماد ذریعہ رہا ہے۔کیا اس بات کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ چودہ سو سال بعد میں آنے والے شخص کی آراء، ذاتی خیالات اور تنقید کو تو تسلیم کر لیا جائے اور صدر اسلام کے ناقدین ادب کی آراء کو پس پشت ڈال دیا جائے؟ یہ بات زیادہ قرین انصاف ہے کہ دور حاضر کے محققین و ناقدین کی تنقیدات کو پیش نظر رکھا جائے لیکن صدر اسلام کے ناقدین ادب کی آراء کی روشنی میں ہی کسی شعر کو صحیح و سقیم قرار دینا زیادہ صائب ہے۔

طہ حسین کا یہ مؤقف بھی درست نہیں ہے کہ اہل عرب، اسلام اور سیاست سے بہت دور تھے جبکہ جن قصائد کو دور جاہلی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے درحقیقت وہ عباسی دور کی پیداوار ہیں ان میں دین اسلام اور سیاست سے متعلق باتیں پائی جاتی ہیں۔اہل عرب الحاد پرستی کی بجائے مشرک قوم تھی ان میں عقل سلیم رکھنے والے لوگ موجود تھے جو جاہلی رسم و رواج سے نفرت کرتے تھے۔زہیر بن ابی سلمی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب کی سیاست قبیلہ میں منقسم تھی وہ بالکلیہ سیاست سے دور تھے۔نابغہ ذبیانی بنو غسان کے رؤسا اور سرداروں کی مدح سرائی کرتا رہا اور پھر اس نے نعمان بن منذر کے دربار سے بھی انعام و اکرام حاصل کیے۔قدیم سلیم الفکر ادباء نے قدیم شعراء کے ہر ہر شعر پر کڑی نظر ڈالی ہے مکمل تنقیح کے بعد جعلی اور غیر جعلی شعروں کو الگ کر دیا ہے اس لیے مستند روایات بیانات کی موجودگی میں ایسے شخص پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جو صدیوں بعد پیدا ہوا اور بغیر کسی تاریخی واثری دلائل کے ہر بات کو توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔ان کی تحقیق تخریبی ہے تعمیری نہیں ان کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایک ہی قصیدے کے بعض اشعار کو تو صحیح النسب تسلیم کرتے ہیں اور اس دلیل پر کہ یہ اشعار ان کے مقابلہ میں کچھ نہیں بعض اشعار کا انکار کر دیتے ہیں۔انہوں نے یہ سب کچھ

مستشرقین سے مرعوب ہونے کی بناء پر کیا۔

محمد فرید وجدی نے ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ''**فی الادب الجاهلی**'' کے رد میں ''**نقد کتاب الشعر الجاهلی**'' کے نام سے کتاب لکھی جس میں نہایت جامع انداز میں ان کی رائے پر سخت تنقید کی ہے کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر جان لیری نے ڈاکٹر طہ اور ان کے ہم خیال مارگولیتھ کے نظریات کا رد کیا ہے۔ تاہم یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ کچھ اشعار واقعی غلط گھڑے ہوئے ہیں اور ان کی روایت بھی غلط ہوسکتی ہے جیسا کہ احادیث نبویہ ﷺ میں ہوا لیکن تمام ادبی سرمائے کو غلط کہنا درست نہیں ہے۔

دراصل ڈاکٹر نکلسن ، جرمن مستشرقین نلڈ کے Theodor Noldeke، اہلوارد W.Ahlwardt اور طہ حسین کا اصل ہدف و مقصد قرآن حکیم کی اس اساس کو کمزور کرنا ہے جس پر دین اسلام کے احکام وتشریحات کا دارومدار ہے اس لیے انہوں نے اپنے فاسد خیالات کے ذریعے جاہلی عربی شاعری کو موضوع و منحول قرار دیا چونکہ یہ شاعری اصول تفسیر میں سے ایک اہم اصول ومبادی ہے اس لیے اس کا فہم قرآن کی تفہیم کے لیے ناگزیر ہے اور مفسرین کے نزدیک جاہلیت کے اشعار سند کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام جاہلی عربی شاعری درست ہے بلکہ اس ادبی سرمایہ میں منحول کلام بھی شامل ہوگا لیکن تمام تر اس ادبی ورثہ کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا دیان قطعی طور پر غلط ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مشہور یہودی مستشرق پروفیسر مارگولیتھ یورپ میں اسلامیات کے امامِ فن جانے جاتے ہیں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامیات کا درس دیتے تھے۔

2.D.S Margoliouth ,The origins of Arabic Poetry Journal of The Royal Asiatic society ,July 1925,PP.417

3.(D.S Margoliouth ,The origins of Arabic Poetry ,Journal of The Roual Asiatic society ,July 1925.

4.(D.S Margoliouth ,The origins of Arabic Poetry ,Journal of The Roual Asiatic society ,July 1925.

5۔ الدکتور طہ حسین ، فی الادب الجاھلی ، دارالمعارف القاھرۃ 1345ھ 1927م ص 120-80

6۔ الدکتورحسین، فی الادب الجاھلی ص173-113

7۔ ایضاً ص175-244

8۔ الدکتورطہ حسین، فی الادب الجاھلی ص89,88,94

9۔ ایضاً ص93

10۔ الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن 934/1

11۔ الشوقی ضیف، العصر الجاھلی، دارالمعارف القاھرۃ مصر الطبعۃ الثامنۃ 1988م ص121

12۔ شیخ احمد سکندری، الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ ص13-15

13۔ الجطلاوی محمد محمد یوسف، الشعر الجاھلی واثرہ فی تفسیر معانی القرآن، جامعۃ قاریونس، بنغازی، الطبعۃ الارنی 1990م، ص26-28

14۔ الدکتور جوادعلی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، دارالعلم اللملایین بیروت مکتبۃ النھضۃ، بغداد الطبعۃ، 1976م 566/8

15۔ الدکتور جوادعلی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام 626/8

16۔ سیدخضرحسین، نقض کتاب فی الشعر الجاھلی، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا القاھرۃ 1345ھ، ص323

17۔ الدکتور جوادعلی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام 647/8

18۔ الدکتور جوادعلی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام 658/8

19۔ شوقی ضیف، العصر الجاھلی ص137

20۔ الجطلاوی محمد محمد یوسف، الشعر الجاھلی واثرہ فی تفسیر معانی القرآن ص47-29

21۔ سیدمحمدخضرحسین، نقض کتاب فی الشعر الجاھلی ص362

22۔ الدکتور ناصر الدین اسد، مصادر الشعر الجاھلی وقیمتھا التاریخیہ، دارالمعارف بمصر الطبعۃ الثانیۃ 1962ھ ص477-287

23۔ الدکتورناصرالدین اسدمصادرالشعرالجاھلی وقیمتھا التاریخیۃ ص478

24۔ احمد بن فارس، الصاجبی فی فقہ اللغۃ ص52

25۔ طہ حسین، فی الادب الجاھلی ص120

26۔ احمد الاسکندری، المفصل فی تاریخ الادب العربی، داراحیاء العلوم بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی 1414ھ 1994م ص54

27۔ الدکتور ناصر الدین اسد، مصادر الشعر الجاھلی وقیمتھا التاریخیۃ ص 103-23 الدکتور جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام 44/1

28۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک 323/2

29۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر بیروت، لبنان، 1440ھ، 1984م 305/5

30۔ شوقی ضیف، العصر الجاھلی ص 141، یاقوت حموی، معجم البلدان 354/4

31۔ الدکتور جواد، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام 648,645/8

32۔ شوقی ضیف، العصر الجاھلی ص 163-138